

اغنیاء کے اموال میں فقر اور کا حق

حافظ محمد سعید اللہ نائب مدیر

مندرجہ بالا عنوان کی وضاحت اور اس عنوان میں درج دعویٰ کے اثبات سے قبل اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ مال و دولت کی جو اضافت اغنیاء اور دولت مندوں کی طرف ہے شرعی نقطہ نگاہ سے اس کی ملکیت کیا ہے اور کسی بھی چیز پر انسان کی ملکیت اور اس کے تصرف کی اسلام میں حقیقت کیا ہے؟ بعد ازیں اس چیز کا جائزہ لیں گے کہ شریعت نے اغنیاء کے مال میں فقر اور کا حق کیوں اور کن مصالح کے تحت رکھا ہے؟ کن حالات میں رکھا ہے؟ اور یہ حق اغنیاء کے مال سے کس طرح اور کن شکلوں میں وصول کیا جائے گا۔

مال و دولت اور ملکیت کی حقیقت

شریعت اسلامیہ کے اولین اور بنیادی ماخذ قرآن مجید کی تصریحات کے مطابق مال و دولت خواہ کئی شکل میں ہو، اللہ کریم کا پیدا کردہ اور اصلاً اسی کی ملکیت ہے۔ کائنات کی کوئی چیز حتیٰ کہ اس کا ایک حقیر ذرہ بھی بنیادی طور پر انسان کی ملک نہیں۔ دوسری اشیاء کا کیا ذکر خود اپنی ذات پر بھی انسان کو اس قسم کے مالکانہ حقوق حاصل نہیں کہ وہ اپنے جسم و جان کے ساتھ جو کچھ کرنا چاہے کر لے یہی وجہ ہے کہ خود کئی شریعت میں ناجائز اور حرام ہے۔ اس کے مالکانہ حقوق جن چیزیں پر بھی ہیں اللہ تعالیٰ ہی کے بخشے ہوئے ہیں۔ اس کی اپنی جان و جسم اور قوتیں، زمین کھیت گھرا بار اس کا سارا مال اور اس کی تمام الماک اللہ کی طرف سے اسے امانتاً سپرد کی گئی ہیں۔ وہ ہر قسم کے اموال و مقبوضات کا امین اور کیشر ہے نہ کہ خود مختار مالک۔ اپنے قبضے میں کل مال و دولت اور جملہ

اشیاء پر اس ملکیت مجازی ہے نہ کہ حقیقی۔
سورۃ المؤمنون میں قرآن مجید کا ارشاد ہے:
”قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۚ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ“
”(اے محبوب!) آپ پوچھیں کہ زمین اور اس کی ساری موجودات کس کی ملک ہیں؟
تباؤ اگر تمہیں علم ہے تو وہ جواب دیں گے سب کچھ اللہ کا ہے۔“
پھر تصور اس آگے چل کر فرمایا:
”قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَكْرُوتُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ“
”پوچھیے کہ ساری چیزوں کی بادشاہت کس کے ہاتھ میں ہے..... تو وہ کہیں گے
کہ اللہ کے ہاتھ میں۔“
سورۃ بقرہ میں فرمایا:
”لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ“
”اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔“
سورۃ نور میں ارشاد ربانی ہے:
”وَاتُوهُمْ مِنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْ اٰتٰكُمْ“
”اور انہیں (غلاموں کو) اللہ کے اس مال میں سے دو جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے۔“
یہاں مال کی اضافت اللہ کی طرف کر کے یہ حقیقت تازہ اور ذہن نشین کرا دی کہ یہ مال
تمہارا اپنا ہے کب؟ جو کچھ بھی خرچ کر دے اللہ ہی کا تو ہوگا۔
القرآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضًا (قرآن کا بعض خود اپنے بعض کی تفسیر کرتا ہے)

۱۔ سورۃ المؤمنون: ۸۴-۸۵

۲۔ ایضاً آیت ۸۸

۳۔ سورۃ البقرہ: ۲۸۴

۴۔ سورۃ نور: ۳۳

کے مطابق اس کی وجہ بھی قرآن مجید نے ایک دوسری جگہ بڑے منطقی اور عقلی انداز میں بتادی ہے کہ انسان زیادہ سے زیادہ یہی تو کر سکتا ہے کہ عمل پر ہش میں اپنی کوشش صرف کرے لیکن اس کوشش کو بار آور کرنا اور اس سے پیداوار کا مہیا کرنا خدا کے سوا کون کر سکتا ہے؟ انسان کے بس میں اتنا ہی تو ہے کہ وہ زمین میں بیج ڈال دے بھر اس بیج کو نیل اور کو نیل کو درخت بنانا تو کسی اور ہی کا کام ہے۔ ارشاد ہے۔

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ۚ ءَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الَّذِينَ نَزَّلْنَا
”اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جو کچھ تم بڑھتے ہو اسے تم اگاتے ہو یا ہم ہیں (اگے) اگانے والے؟“

ظاہر ہے زمین میں یہ صلاحیت رکھنا کہ دانہ کو نشوونما دے سکے، دانہ میں یہ استعداد کہ مٹی سے نمو حاصل کر سکے، گرمی، روشنی، ہوا، پانی وغیرہ سے استفادہ کی قابلیت ان سب کو قوت سے فعل میں لانا۔ مناسب وقت پر مناسب مقدار میں بارش، اوقات مقرر پر مقدار مقرر میں آفتاب کی تابش غرض نظامِ زراعت کی ساری مشینری اور عوامل کو حرکت میں لانا اللہ کا کام ہے نہ کہ بندے کا۔

سورہ یس شریف میں ہے :

لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ ۚ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ۚ
”ہم نے زمین میں چشمے جاری کئے“ تاکہ وہ درختوں کے پھل کھائیں حالانکہ یہ پھل ان کے ہاتھوں نے نہیں بنائے سو کیا وہ شکر نہیں کرتے ؟“

اس آیت کریمہ میں ”وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ“ کا جملہ بڑا قابلِ غور ہے۔ ساری دنیا خدائی قدرت و انتظام سے اگاہ ہو کر، اگر مل کر بھی کوشش کرے کہ تخم ریزی و آبپاشی کے نتائج غلہ، پھل وغیرہ کی شکل میں حاصل کرے تو ممکن نہیں۔ یقیناً ان مسبات کو انہیں نتائج کی صورت میں ظاہر کرنا خاص الخاص قدرت خداوندی ہے۔ اس اظہر من الشمس حقیقت

۱۔ سورۃ الہدٰی : ۶۳-۶۴

۲۔ سورۃ یس : ۲۵

کابھی انسان اگر اعتراف نہ کرے تو اس سے بڑھ کر منع حق کی ناشکری کیا ہو سکتی ہے۔
ملکیت بطور نائب | پھر سورۃ الحدید کی ایک آیت میں بالکل واضح اور صاف صاف لفظوں میں فرمادیا گیا ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ مال و دولت ہے۔ اس میں

اس کی حیثیت نائب اور خلیفہ کی ہے نہ کہ اصل مالک کی۔ فرمایا:
 وَأَنْفِقُوا مِنْهُمَا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ

”اور اس مال میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچہ کرو جس میں اس نے تمہیں (اپنا) نائب و خلیفہ بنایا ہے۔“

مندرجہ بالا آیات بالخصوص سورۃ الحدید کی یہ آیت اس باب میں واضح نص ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ مال و دولت، زر، زمین، منقولہ وغیرہ منقولہ املاک ہیں ان کا اصل مالک اللہ ہے انسان محض نائب کے طور پر ان املاک میں تصرف کا مجاز ہے۔ ظاہر ہے نائب و خلیفہ کا تصرف انہی حدود کے اندر اور انہی مقاصد کے تحت ہونا چاہیے جو مالک حقیقی نے مقرر کر دیے ہوں۔ نائب کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل مالک کے ہوں اور اسے ان ذمہ داریوں کو بھی ادا کرنا ہوگا جو مالک نے اس پر عائد کی ہیں۔ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں اس مفہوم کو یوں ادا فرمایا ہے:

ان الاموال التي في ايديكم انما هي اموال الله بخلقه والشأنه لها ثم انه تعالى جعلها تحت يديكم كلف وتحت تصرفه لينتفع بها على وفق اذن الشرع فالملك في تصرفه في هذا الاموال بمنزلة الوكيل والنائب والخليفة فوجب ان يسهل عليكم الانفاق من تلك الاموال كما يسهل على الرجل النفقة من مال غيره اذا اذن له فيه

”بیشک وہ تمام اموال جو تمہارے ہاتھوں (قبضہ) میں ہیں بلاشبہ وہ اللہ کے اموال

لہ سورۃ الحدید: ۷

لہ امام فخر الدین رازی: تفسیر کبیر ج ۲۹ ص ۲۱۶ مطبوعہ مصر

کیونکہ اسی نے ان کو پیدا فرمایا ہے پھر اس نے ان اموال کو مکلف (انسان) کے ہاتھ اور تصرف میں کر دیا تاکہ وہ (انسان) ان سے شریعت کے اذن کے مطابق نفع اٹھائے پس انسان ان اموال کے اندر اپنے تصرف میں بمنزلہ وکیل نائب اور خلیفہ کے ہے جب ملکیت کی حقیقت یہ ہے تو ضروری ہے کہ تم پر ان اموال میں سے خرچ کرنا آسان ہو جیسا کہ آدمی پر اپنے غیر کے مال میں سے خرچ کرنا آسان ہوتا ہے جب کہ وہ اسے اس میں سے خرچ کر نیکی اجازت دے۔

آزاد اور خود مختار ملکیت کی مذمت

مال و دولت کی اصل حقیقت جب معلوم ہو گئی تو پتہ چلا کہ شریعت میں انسان کے مال کا حقوق مطلق نہیں بلکہ مقید ہیں۔ چنانچہ انسان کو اپنی زیر تصرف اشیاء پر ملکیت "تو حاصل ہے مگر یہ ملکیت آزاد اور خود مختار اور بے لگام نہیں۔ اس پر دولت کے اصل مالک کی طرف سے کچھ حدود و قیود اور پابندیاں عائد ہیں مالکانہ تصرف کے باب میں خود کو پوری طرح آزاد سمجھنا گمراہ قوموں اور بگڑے ہوئے افراد کا شعار قارونی فکر اور غیر مؤمنانہ سوچ ہے۔ قرآن مجید نے قوم حضرت شعیب علیہ السلام کا ایک مقولہ نقل فرماتے ہوئے اس سوچ اور نظریے کا مذمت کے پیرائے میں ذکر کیا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے جب اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور اس طرح تجارتی خیانتوں اور مالی معاملات میں بددیانتی کر کے زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو انہوں نے کہا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا اَمْوَالَكُمْ اِنْ تَتَّبِعُوْا اَمْوَالَكُمْ لَا تَنْفَعْكُمْ فِىْ اَمْوَالِنَا مَا نَشَآءُ لِہِ

”اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں اسی بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے آباء و اجداد کے معبودوں کو چھوڑ دیں یا اپنے اموال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا ترک کریں۔“

یہ لوگ چونکہ ”اموال“ کو حقیقتہً ”اپنا“ (اموالنا) سمجھتے تھے اس لیے ”نَفْعَلْ مَا نَشَاءُ“ (جو چاہیں کریں) کا دعویٰ اور سوچ اس کا لازمی نتیجہ تھا یہی فکر سرمایہ داری کی روح ہے اور قرآن کریم نے جیسا کہ پیچھے گزر چکا، سورہ نور میں اپنے اموال ”اموالنا“ کے لفظ کو ”مال اللہ“ (اللہ کا مال) کے الفاظ سے بدل کر سرمایہ دارانہ سوچ کی اسی بنیاد پر ضرب لگائی ہے مگر اس کے ساتھ ہی ”الَّذِي اتَّكَمُ“ (جو اس نے تمہیں دیا ہے) فرما کر اشتراکیت کی جڑ بھی کاٹ دی ہے جو سرے سے انسانی انفرادی ملکیت ہی کا انکار کرتی ہے اس کے برعکس اسلام اموال پر انسانی ملکیت کا قائل تو ہے مگر بے لگام اور آزاد ملکیت کا نہیں۔ اسلام میں اس پر مال و دولت کے اصل مالک کی طرف سے کچھ پابندیاں عائد ہیں جس جگہ وہ اس دولت کو خرچ کرنے کا حکم دے وہاں اس کے لیے ایک نائب اور امین کی طرح خرچ کرنا لازمی ہے اور جہاں خرچ کرنے کی ممانعت فرمادے وہاں رک جانا ضروری ہے۔

قرآن مجید قارون کا قصہ سن کر آگاہ کرتا ہے کہ دنیوی مال و متاع کو الہی ہدایت سے بے نیاز ہو کر برتنے کا انجام بہت بُرا ہے۔ ذیل کی آیات اس فہنیت کی عکاسی کرتی ہیں جس کو شریعت مٹانا چاہتی ہے اور ساتھ ہی ان آیات میں مطلوبہ فہنیت کی طرف رہنمائی بھی ہے۔

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنْ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْخَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ۖ وَابْتَغَ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنُ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۚ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ۚ

”بے شک قارون موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم کا فرد تھا لیکن اس نے ان کے خلاف متکبرانہ روش اختیار کی۔ ہم نے سے اتنے خزانے عنایت فرمائے تھے کہ اس کی

کنجیاں ایک طاقتور جماعت کو گرا بنا کر دیتی تھیں۔ (اس کے انکبار کا یہ عالم تھا کہ) جب اس کی قوم نے اس سے کہا ”اترا مت اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتا اور جو کچھ اللہ کریم نے تجھے عطا فرما رکھا ہے اس کے ذریعے آخرت (کی بھلائی) طلب کر اور اس دنیا سے (بھی) اپنا حصہ نہ بھول۔ جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اسی طرح تو بھی (دوسرے انسانوں کے ساتھ) احسان کر۔ اور زمین میں (اپنے اس رویے سے) فساد نہ چاہ بلاشبہ اللہ فسادیلوں کو پسند نہیں فرماتا“ تو وہ بولا کہ مجھے جو کچھ ملا ہے اپنے ذاتی علم و لیاقت اور ہنرمندی کی بنا پر ہی ملا ہے۔

اس آیت نے اسلام کے فلسفہ ملکیت کو خوب کھول کر بیان کر دیا ہے کہ

(۱) انسان کے پاس جو کچھ مال و دولت ہے وہ اللہ کا عطا کردہ ہے (إِنَّا لَآلِلّٰہُ)۔

(ب) چونکہ مال و دولت اللہ کا دیا ہوا ہے لہذا اس پر انسان کا تصرف حکم خداوندی کے تابع ہوگا۔ اب حکم خداوندی کی دو شکلیں ہیں۔

ایک یہ کہ وہ انسان کو اس بات کا حکم دے کہ مال کا کچھ حصہ کسی دوسرے کو دیدے۔ اس کی تعمیل اس لیے ضروری ہے کہ اللہ نے اس پر احسان کیا ہے تو وہ اسے دوسرے ضرورت مندوں اور حاجتمندوں پر احسان کا حکم دے سکتا ہے (وَ أَحْسِنْ لِّکَمَا أَحْسَنَ اللّٰہُ لَکَ)۔ دوسری شکل یہ ہے کہ وہ انسان کو اس دولت کے تصرف سے روک دے اس کا بھی اس کو اختیار ہے کیونکہ وہ اسے دولت کے کسی ایسے استعمال کی اجازت نہیں دے سکتا جس سے اجتماعی خرابیاں پیدا ہوں اور زمین و معاشرے میں شر و فساد پھیلے (وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِی الْاَرْضِ)۔

معیشت میں انصاف اور مواصلات نہ کہ مساوات

قبل اس کے کہ یہ عرض کیا جائے کہ اغنیاء کے مال و دولت میں مال و دولت کے اصل اور حقیقی مالک (اللہ) نے غریبوں و مساکین مفلسوں یتیموں، اپاہجوں ضرورت مندوں حاجتمندوں یتیموں بیواؤں محروم المعیشت لوگوں اور معاشی زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والوں کا لازمی حق رکھا

ہے، یہ بتا دینا بھی مناسب ہے کہ اسلام میں اغنیاء اور فقراء کی یہ درجہ بندی اور تقسیم کیوں ہے۔ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اسی لیے اسلام اپنے احکام و قوانین میں کہیں بھی فطری چیزوں کو مٹانا نہیں چاہتا۔ فطرت اور طبیعت کو جہاں بھی مسخ کرنے کی کوشش کی جائے گی اس کا انجام انسانی معاشرے کے لیے نقصان دہ ہی ثابت ہوگا۔ معیشت میں لوگوں کے درمیان تفاوت یعنی کسی کا دولت مند ہونا اور کسی کا حاجت مند، کسی کا امیر ہونا اور کسی کا غریب کسی کا غنی ہونا اور کسی کا فقیر یہ کموبہ مصالح کے تحت ہے نہ کہ تشریعی مصالح کے تحت سورۃ الانعام کے آخر میں فرمایا گیا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْآسْرُضَ وَالْأَسْوَاقَ بَعْضُكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ۔

”اور وہ (اللہ کریم) وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا اور تم میں سے ایک کے رتبے دوسرے پر بلند کئے تاکہ وہ تمہیں ان چیزوں میں آزمائے جو اس نے تم کو دے رکھی ہیں۔“

یہاں مراد طبعی اور کموبہ فرق مراتب سے ہے کہ کوئی تندرست ہے کوئی بیمار، کوئی قوی کوئی کمزور کوئی حاکم کوئی محکوم، کوئی مرد کوئی عورت، کوئی زردار کوئی نادار، اور ساتھ ہی اس کی علت بھی بتا دی گئی ہے کہ فرق مراتب سے مقصود انسانوں کی آزمائش کرنا ہے کہ جس آدمی کو اللہ کریم نے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں وہ کہاں تک اپنے مالک کے کہنے اور اس کی مرضی پر ان نعمتوں کو کام میں لاتا ہے اور جسے کسی کموبہ مصلحت کے تحت کوئی چیز کم دی گئی ہے وہ اس پر کہاں تک صابر و شاکر اور قانع رہتا ہے اور کس حد تک حسد کی آگ سے بچا رہتا ہے۔ ہم کموبہ نظام کے مکلف نہیں بلکہ اللہ کے بھیجے ہوئے آخری رسول کے عطا کردہ ”تشریعی نظام کے مکلف ہیں تشریعی احکام ہی سے ہمیں اللہ کی پسند اور ناپسند کا پتہ چلتا ہے۔ اب شریعت میں ”درجات معیشت“ میں توفیق کی گنجائش ہے مگر ”حق معیشت“ میں تفاوت و فرق کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ ”حق معیشت“ میں مساوات قائم رکھنے کے لیے شریعت نے اللہ کے نائب یعنی خلیفہ کو بہت سے اختیارات دیے ہیں۔ جن کو بروئے کار لاکر وہ اس مساوات کو قائم رکھے گا۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کریم نے قیامت تک زمین کو انسانوں کے ذریعے ہی آباد رکھا ہے۔ دنیا کی اس آبادی، چہل پہل، رنگا رنگی، جن اور انتظام کے لیے بھی عقلی طور پر لازمی ہے کہ لوگوں کے درمیان رزق اور معیشت کے معاملے میں تنہاوت قائم رہے ورنہ اس نظام کا چٹنا ٹکڑا ہو جائے گا۔ اس چیز کی طرف اشارہ قرآن مجید نے یوں فرمایا ہے!

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا مَخْرَجًا ۚ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا جَعَلْنَاكُمْ فِرَقًا كَثِيرًا ثُمَّ نُنزلُكُمْ إِلَيْنَا وَإِلَىٰ هَٰذَا نُنْزِلُكُمْ ۖ ثُمَّ نَدْبِتُ الْأَوَّلِينَ قُدْرًا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِكُونَ

”ہم نے ہی ان کے درمیان ان کی دنیوی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کے درجے دوسرے سے بلند کر رکھے ہیں تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے“

ظاہر ہے لوگوں کا رزق میں ایک دوسرے پر تفوق صلاحیتوں اور قابلیتوں میں تفوق و برتری کی مانند ہے۔ جس طرح انسانوں میں بعض پست قدم ہیں اور بعض دراز قدم، بعض بد صورت ہیں اور بعض خوب صورت، بعض مخنتی ہیں اور بعض کام چور و بے کار، بعض کند ذہن ہیں اور بعض زیرک، بعض کمزور ہیں اور بعض طاقتور اسی طرح بعض تنگ دست ہیں اور بعض کشادہ رزق اور یہ بات اس دنیاوی زندگی کے مزاج و فطرت کے عین مطابق ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو ارادہ و اختیار کی قوت دے کر اسے ابتلا و امتحان میں ڈالا ہے جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا اس کا بھی یہ تقاضا ہے کہ انسانوں میں رزق کے معاملے میں فرق مراتب ہو۔ المختصر مال کی کمی بیشی کسی فانی ذوال وکال کی دلیل نہیں بلکہ خدا کی تقسیم کردہ معیشت میں بندوں کا پرچہ امتحانی ہے۔ احساس فمرداری کا امتحان، اجتماعی اخوت کا امتحان۔ خدا کے بندوں تک ان کا گم شدہ حصہ رزق پہنچانے کی دیانت کا امتحان اور یہ امتحان کہ کمی پر صبر کرنے والے اور بیشی پر شکر کرنے والے اور ان دونوں جذبوں کا حق ادا کرنے والے کون لوگ ہیں۔

اس سلسلے میں معروف ہندی محدث علی متقی نے کنز العمال میں ایک بڑی ایمان افروز حقیقت بیان

روایت نقل کی ہے کہ

”اللہ کریم حضرت موسیٰ بن عمران کی طرف وحی نازل فرمائی..... فرمایا اے موسیٰ! میں نے فقیروں اور غریبوں کو (غربت و افلاس میں) اس لیے مجبور نہیں کیا ہے کہ میرا خزانہ ان کے لیے تنگ ہے اور میری رحمت میں ان کے لیے گنجائش نہیں بلکہ یہ چیز اس وجہ سے ہے کہ میں نے مالداروں کے مال میں غریب کے لیے اتنا فرض قرار دیا ہے جو ان کے لیے کافی ہو۔ میں نے ارادہ کیا کہ مالداروں کی آزمائش کروں کہ غریبوں کے لیے ان کے مال میں میں نے جو کچھ واجب کیا ہے اس کے بارے میں ان کی روش کیسی ہے کیونکہ میں نے ان پر اپنی نعمت تمام کر دی اور اور دنیا میں ان کے لیے کئی گنا اضافہ کیا کہ کم از کم ایک نیکی کا صلہ دس گنا۔

اے موسیٰ! غریبوں کے لیے خزانہ بن کر کمزور کیلئے حکم قلعہ اور پناہ چاہنے والے کیلئے پناہ دینے والے بن کر ہو گئے تو ہر سختی میں میں تمہارا ساتھی اور تنہائی میں تمہارا انیس و غمخوار ہوں گا اور ہمیشہ تمہاری نگرانی و حفاظت کروں گا۔“

اسلام میں درجاتِ معیشت کے اندر بعض تکوینی مصالح کے تحت فرق ضرور ہے مگر حق معیشت میں اسلام انصاف و مؤاسات، ہمدلی اور غمخواری کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ امت مسلمہ کے مختلف افراد کے درمیان اتنا تفاوت پایا جائے کہ کچھ لوگ تو عیش و عشرت کی زندگی گزاریں اور دوسرے لوگ خستہ حال اور پریشان ہوں اور یہ خستہ حالی منطقی فاقہ کشی اور کیڑوں سے ننگے رہنے کی حد تک جا پہنچے مسلم شریفین میں حضرت جبریل سے مروی ہے کہ ہم ایک مرتبہ شروع دن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ کچھ لوگ ننگے پاؤں ننگے جسم دھاری دار چادریں پہنے اور تلواریں لٹکائے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے اس فقر و فاقہ اور خستہ حالی کو دیکھ کر آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا۔ پریشانی میں آپ کبھی اندر تشریف لے جاتے اور کبھی باہر

لے علی متقی: کفر العمال: ۳: ۲۹۳ (حدیث نمبر ۴۸۶۱) طبع حیدرآباد ۱۳۱۲ھ

وغیرہ کے معاملے میں وسعت و فراخی چاہتا ہے۔ اسلام نے ایمان کا ایک اصول اور تقاضا بتایا ہے کہ جو چیز تم اپنے لیے پسند کرتے ہو جب تک وہی چیز دوسروں کے لیے بھی پسند نہیں کرو گے کامل الایمان نہیں کہلاؤ گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا يُوْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يَحِبُّ لِنَفْسِهِ ۚ
 ”تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک کامل ایماندار نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کرے جو وہ اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے“
 قرآن اپنے ماننے والوں کو باجاً ایثار انفاق اطعام اور ضرورت مندوں پر صدقہ و خیرات کی ترغیب دیتا ہے اور ایسا کرنے والوں کی تعریف کرتا ہے۔ انصار کے اوصاف بآء کرتے ہوئے اللہ کریم نے فرمایا:

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ
 ”اور وہ اپنی ذات کے مقابلے میں مہاجرین کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود فاقہ میں ہی ہوں“
 حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا اور دیگر اہل بیت کے بارے میں ارشاد ہوا۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّاعِمَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۚ
 ”اور وہ کھانا کھلاتے رہتے ہیں مسکینوں یتیموں اور غریبوں کو اللہ کی محبت سے“
 علاوہ ازیں متعدد آیات و احادیث میں غریب و مساکین اور حاجتمندوں پر خرچ کرنے کی ترغیب اور شوق دلایا گیا ہے۔ اور اس امر کو ”دین“ کی تکذیب کے مترادف ٹھہرایا گیا ہے کہ ایک آدمی کسی یتیم و مسکین کی دلجوئی یا حاجت براری کے بجائے اسے دھکے دے کر اپنے گھر سے نکال دے اتنا سنگدل اور بیدرو ہو کہ نہ خود انہیں کھلائے اور نہ ہی دوسروں کو اس بات پر آمادہ کرے۔

۱۔ بخاری شریف کتاب الایمان ج ۱ ص ۶ طبع کرن پریس دہلی۔

۲۔ سورۃ الحشر آیت ۹

۳۔ سورۃ الدھر: ۸

سورة الماعون میں ہے :

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالْإِيمَانِ ۚ فَذَلِكَ الَّذِي يَدْعُ الْيَتِيمَ
وَلَا يَحْصُنْ عَلَىٰ طَعَامِ الْهَسِيِّكِينَ ۖ

”بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جو روزِ جزاء کو جھٹلاتا ہے؟ سو وہ شخص ہے جو یتیم کو روکھے دیتا ہے اور محتاج کے لیے کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا“

غرض اسلام اولاً اپنی اخلاقی تعلیمات کے ذریعے امارت و غربت کے طبقاتی احساس کو مٹا کر اخوت بھائی چارے، مہم دی غمخواری، خیر خواہی اور مؤاسات کا ماحول پیدا کرتا ہے۔ اسلام ایسے انسانی معاشرے کا خواہاں ہے جس میں معذور و ذی استطاعت اور غریب و امیر میں ہمتی کا نفاذ و تعاون اور ہمدردی کی ایسی فضا قائم رہے جس میں غریب و تنگ دست کو اپنی غربت و افلاس کا احساس ہی نہ ہونے پائے اس کی جملہ ضروریات باحسن طریق پوری ہوتی رہیں اور اس کے دل میں امرار کے خلاف کبھی بھی آتشِ حسد نہ بھڑکے۔ اور اس طرح معاشرہ ایک خاندان کے چھوٹے بڑے افراد کی مانند باہم مل جل کر پیار و محبت اور اطمینان و سکون سے زندگی گزارے۔ یہ بات عدل و انصاف اور اسلام کے مزاج کے خلاف ہے کہ کمزور و نادار افراد بھوکے رہیں، اور فقر و مساکین خور و نوش اور لباس و رہائش کی بنیادی ضروریات زندگی سے محروم رہیں ایک طبقہ عیش و عشرت، تعینات عیاشیوں، فضول خرچیوں اور رنگ رلیوں میں مصروف ہو اسے اپنی زمینوں، آمدنیوں اور دولت کا صحیح اندازہ ہی نہ ہو اور دوسرا طبقہ نان جوئیہ کو ترستا ہو مناسب خوراک لباس اور ضروری تعلیم سے بھی محروم ہو۔ ایک طبقہ کے شکاری کتوں کی خوراک کے لیے دیسی گھی ان کی مالش کے لیے با دام روغن آرام کرنے کے لیے ریشمی رضائیاں اور علاج کے لیے سپیشلسٹ ڈاکٹر زہوں اور دوسری طرف غریب و مساکین اور ان کے تختِ جگہ مناسب علاج نہ کر سکنے، محقوق و اکڑ سے مشورہ نہ کر سکنے اور دوائی کے لیے اخراجات نہ رکھنے کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مچھلیں اور ان کا کوئی پُرسان حال نہ ہو۔ ایک گروہ کے ہر ہر فرد کے پاس سفری سہولتوں کے لیے

ایک کنڈیشن نگاریاں ہوں اور دوسرے لوگوں کے پاس بائیسکل تک موجود نہ ہو۔ امیر خاندانوں کے لیے میلوں میں پھیلی ہوئی محل ٹٹا فک بوس اور شاندار کوٹھیاں ہوں ان میں چھوٹے سے کمرے کے کمرے تک ہر فرد کے لیے تمام ضرورتوں اور آسائش و تعیشات سے پر علیحدہ علیحدہ کمرہ ہو۔ ڈائنگ روم الگ ہو۔ ٹی وی لان الگ ہو، سٹڈی روم الگ ہو۔ تفریح کے لیے لان پارک اور باغیچے الگ ہوں گیلری میں ہر کمین کے لیے الگ الگ گیلریوں کی قطاریں لگی ہوں۔ ان کے باورچی خانوں میں ہر وقت ہر موسم کے مطابق انواع و اقسام رنگا رنگ اور متنوع قسم کے کھانے پینے کے سامان تیار ہوں۔ ان کے اچھی اور صندوق طرح طرح کے نفیس سوٹوں اور کپڑوں سے بھرے پڑے ہوں ان کے گھرات کو بھی دن کا نظارہ پیش کرتے ہوں۔ معاشی دور اور تنگ و دوہیں ترقی کے لیے قرضے اور دیگر سرکاری مراعات ان ہی کے لیے ہوں اور ان کے مقابلے میں انہی کے شہر میں انہی کے محلے میں انہی کی بستی میں اور انہی کے ملک میں بیٹھار لیے لوگ خاندان اور گھرانے موجود ہوں جن میں خوش بارہ افراد شتمل خاندان کے سرچھپانے کے لیے ایک جھونپڑی تک نہ ہو۔ اور اگر کسی گھرانے کے لیے "تین مرلہ" یا "پانچ مرلہ" اسکیم کے ایرے میں کوئی جھونپڑا اور ٹوٹا پھوٹا مکان ہو تو ایک ایک کمرے میں ماں باپ بچے اور لڑا دی شدہ نوجوان میاں بیوی اکٹھے رہتے پر مجبور ہوں۔ جون جولائی کی گرمی اور پشش میں جب سارا دن محنت مزدوری کر کے اور سرمایہ داروں کی فیکٹریوں اور جاگیر داروں کی زمینوں میں بے گار کا خون پسینہ دے کر شام کو واپس تھکے ماندے لوٹیں تو پینے کے لیے فرجوں کی برف اور خوش ذائقہ مشروبات تو کجا ٹھنڈا اور صاف پانی بھی مہیا نہ ہو۔ مرغ پلاؤ گوشت بریانی تو بہت دور کی چیزیں ہیں انہیں روکھی سوکھی وال روٹی بھی صحیح مقدار اور مناسب معیار میں مہیا نہ ہو۔ ان کے نوہالوں کی قسمت میں علم کے حصول کی بجائے بڑوں کے حُفے تازہ کرنا اور زندگی بھر جھڑپیں کھا کھا کر اور گالیاں سن سن کر مفت میں خدمت کرنا ہوان کے پاس تن ڈھانپنے کے لیے کوئی ڈھب کا لباس نہ ہو۔ سردیوں سے بچنے کے لیے ان کے لیے صرف "لنڈا بازار" رہ گیا ہو۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے اور عزت کی روٹی کمانے کے لیے ان کے واسطے سرکاری طور پر کوئی قرضہ اور رعایت نہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال کم از کم ایک اسلامی معاشرے میں اس چیز کی کوئی گنجائش اور جواز نہیں کہ صورت حال کچھ یوں ہو۔

ہے ادھر بھی آدمی ، ہے ادھر بھی آدمی
اس کے جوتے پرچک اُس کے چہرے پر نہیں

فقر کا حق | اسلام نے اگرچہ جگہ جگہ اور بار بار اہل ثروت اور دولت مند حضرات کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دی ہے۔ انہیں فقرار و مساکین، یتامی، بیوگان اور نادار و کمزور لوگوں کی امداد

اور فلاح و بہبود پر ابھارا ہے ان کے ساتھ مالی تعاون کی ترغیب اور شوق دلایا ہے اور اس امداد و تعاون اور کار خیر پر دنیا و آخرت میں بہترین صلے کا وعدہ فرمایا ہے ترغیبی اور تحریمی ہدایات سے قرآن و سنت بھرے پڑے ہیں اور اسلام نے زیادہ تر اس مقصد کو انہی ترغیبی ہدایات اور اختیاری احکام کے ذریعے پورا کرنے کی کوشش کی ہے تاہم جس ذات نے اسلام کو بطور دین انسانوں کے لیے پسند کیا ہے وہ انسان کی خالق ہے اور وہ انسان کی نفسیات اور طبیعت و فطرت سے بھی واقف ہے کہ

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۖ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۖ وَإِذَا
مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۚ (سورة المعارج : ۱۹-۲۱)

”بلاشبہ انسان بے بہت اور لالچی و بخل پیدا کیا گیا ہے کہ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع کرنے لگتا ہے اور جب اسے خوشحالی ملتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے“

دوسری جگہ فرمایا :

وَأُحْضِرَتِ الْأَنفُسُ الشُّحَّ - (سورة النساء : ۱۲۸)

”اور انسانی طبیعتوں میں بخل رکھ دیا گیا ہے“

اس لیے اس نے صرف ترغیب و تحرص پر اکتفا نہیں کیا اور محض انفرادی و اختیاری صدقہ و احسان پر انحصار کر کے معاشرے کے تنگ دست، مجبور، محروم المعیشت، زندگی کی دوڑ میں کسی طرح پیچھے رہ جانے والے اپاہجوں کمزوروں اور نادار افراد کو اہل ثروت کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا۔ بلکہ ان کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے اہل ثروت کے مالوں میں قانونی طور پر غریبی مالی اعانت کے لیے کچھ لازمی حقوق رکھے ہیں۔ اور اللہ کے نائب یعنی خلیفہ کی ذمہ داری ہے کہ اہل ثروت اگر از خود ان حقوق کو ادا نہیں کر رہے تو ان کی ادائیگی پر انہیں قانوناً مجبور کرے۔

اصحاب ثروت لوگوں کے اموال میں واجبی اور لازمی حقوق میں سب سے بڑا اہم اور ضروری حق ”زکوٰۃ“ ہے جسے نبی اکرمؐ نے اسلام کا ایک ”بنیادی رکن“ قرار دیا ہے۔ جسے تسلیم کئے بغیر کوئی آدمی مسلمان ہی نہیں کہلا سکتا جسے ہر قیمت پر وصول کیا جاتا ہے۔ اور جس کی عدم ادائیگی کی صورت میں آخرت کے دردناک اور دائمی عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ اس کا اولین مقصد یہ ہے کہ اس سے ذریعے فقراء و مساکین کی تنگدستی اور محتاجی کا ایسے باعزت طریقے سے علاج کیا جائے جس سے ان کی عزت نفس مجروح نہ ہو۔ زکوٰۃ کے ہتھکانہ مصارف میں فقراء و مساکین کو اولین حیثیت حاصل ہے۔ بعض مقامات پر تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا مصرف ہی یہ بتایا ہے کہ اسے فقراء و مساکین پر خرچ کیا جائے جیسا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کو مین بھیجے وقت فرمایا:

تَوَخَّذْ مِنْ اَغْنِيَاءِ هُمْ وَتَرُدَّ عَلَى فُقَرَاءِ هُمْ لِي

”یہ زکوٰۃ ان (اہل مین) کے اغنیاء سے وصول کی جائے گی اور وہاں کے فقراء پر خرچ کر دی جائے گی“

نقد روپیہ مال تجارت سونا چاندی زرعی پیداوار اور مویشی پر سال میں ایک دفعہ مقررہ شرح سے زکوٰۃ کے علاوہ ایک دوسری قسم کی زکوٰۃ بھی ہے جو افراد اور اشخاص پر لگتی ہے اسے زکوٰۃ فطر یا فطرانہ کہتے ہیں۔ یہ واجب زکوٰۃ اختتام رمضان اور عید الفطر کے آنے پر عائد ہوتی ہے۔ صدقۃ الفطر کے واجب کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس سے مساکین کے کھانے پینے اور انہیں عید کی خوشیوں میں شامل کرنے کا اہتمام کیا جاسکے لہ

علاوہ ازیں غریبار و مساکین ضرورت مندوں اور محتاجت مندوں کی مالی اعانت کے لیے اسلام نے اور بھی کئی ایک واجبی اور لازمی شکلیں متعین کی ہیں مثلاً قسم توڑنے کی کفارے کی ایک شکل ہے۔

فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشْوَةِ مَسَاكِيْنٍ مِّنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعَمُوْنَ
اَوْ هِدْيَكُمُ اَوْ كِسْوَتُهُمْ - (سورة المائدہ ۵: ۸۹)

۱۔ صحیح بخاری شریف کتاب الزکوٰۃ ج ۱ ص ۲۰۳ طبع کمرن پریس دہلی۔

۲۔ مشکوٰۃ المصابیح باب صدقۃ الفطر ص ۱۶۰ طبع سعید کمپنی کراچی۔

”سواس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھروالوں کو دیا کرتے ہو یا انہیں کپڑا دینا“

اسی طرح ظہار کے کفارے اور رمضان کا روزہ توڑنے کی سزا کے طور پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہے۔ علیٰ ہذا القیاس مناسک حج کے دوران بعض کوتاہیوں پر ”دم“ کے نام سے مالی جرمانے اور عید الاضحیٰ کے دن اصحاب ثروت پر قربانی کو لازم ٹھہرایا گیا ہے۔ وفینوں اور مال غنیمت میں خمس، مال فی اور غیر مسلم رعایا پر جزیہ اور خراج وغیرہ سب غزبار کی مالی اعانت کے ذریعے ہیں ان تمام چیزوں کی تفصیلات اور متعلقہ مسائل تو ہمارے موضوع سے خارج ہیں تاہم اتنی بات یقینی ہے کہ ان تمام شرعی احکام سے مقصود وغزبار و مساکین کی مالی حالت کو سدھارنا، بہتر بنانا اور معاشرے میں انہیں ایک باعزت مقام دلوانا ہے۔ اور اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ مندرجہ بالا ذرائع آمدن کو بروئے کار لا کر غزبار و مساکین اور محروم المعیشت لوگوں کی معقول گزران اور بسر اوقات کا انتظام کرے۔ ان کے لیے مناسب کھانے پینے پر رکش لباس علاج معالجے اور ضروری تعلیم کا بندوبست کرے۔ اور اس کی حدود کے اندر بسنے والا انسان تو کجا کوئی ذی روح اور جاندار بھی بھوکا نہ مرے۔ اسلام کے نامور اور مایہ ناز خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی ریاست اور اسلامی حکومت کے معاشی مقاصد کو اپنے ایک مختصر قول میں جس عمدگی سے واضح کیا ہے اس سے بڑھ کر کوئی وضاحت نہیں ہو سکتی۔ فرمایا:

لَوَمَاتِ جَمِلٌ جِیَا عَالِی شَطَا الْفِرَاتِ لَخَشِیتُ اَنْ یْسَا لَی
اللہ عنہ

”اگر ساحل فرات پر کوئی اونٹ بھی بھوکا مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کے بارے میں جواب طلبی کرے گا“

زکوٰۃ کے علاوہ حق | مندرجہ بالا تمام لازمی اور واجبی ذرائع و وسائل کو بروئے کار لانے کے باوجود بھی اگر معاشرے کے ضرورت مند اور مفلوک الحال لوگوں کی ضرورتیں پوری

مذہب ہوں تو اسلام اس بات کو جائز قرار دیتا ہے اور اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ اصحاب ثروت کے مالوں میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی ٹیکس لگائے جائیں۔ کیونکہ مال میں صرف ”زکوٰۃ“ ہی لازم نہیں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ حقوق ہیں۔ سورۃ الذاریات میں متقین کے اوصاف اور مدح بیان کرتے ہوئے اللہ کریم نے فرمایا:

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلَّذِيئِلِ وَالْمَحْسُورِ (الذاریات: ۱۹)

”اور ان کے مالوں میں سوا لی اور غیر سوا لی (سب) کا حق رہتا ہے“
اس آیت کے ماتحت امام رازی، قرطبی اور علامہ آلوسی وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہاں حق سے مراد ”زکوٰۃ“ نہیں بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ حق ہے جس پر ان کی مدح و ثناء کی جارہی ہے ورنہ ”زکوٰۃ“ تو کوئی امتیازی وصف نہیں یہ تو سارے مسلمان دیتے ہی ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی مالدار آدمی پر مزید انفاق مال کی ذمہ داری باقی رہتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصول کی صراحت فرمادی ہے۔ حضرت فاطمہ بنت قیس بیان کرتی ہیں کہ آنجناب علیہ التیممۃ والتسلیم سے زکوٰۃ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

ان فی المال لحقاً سوى الزکوٰۃ

”بیشک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے“

اس کے بعد بطور استدلال آپ نے سورۃ البقرہ کی آیت لَیْسَ الْبِرُّ اَنْ تُوَلُّوا وُجُوْهُكُمْ اِلَیْهِ (آیت: ۱۷۷) تلاوت فرمائی۔ کیونکہ اس آیت میں ”وَ اٰتٰی الزَّكٰوٰةَ“ کا عطف ”اَتٰی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهِ“ پر ہے اور ظاہر ہے معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان ہمیشہ مغائرت ہوا کرتی ہے۔ دوسرے اس آیت میں پہلے خویش واقارب یتامیٰ اور مساکین کو مال عطا کرنے کو نیکی کہا گیا ہے اس کے بعد اقامت صلوٰۃ اور اتیان زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے جو بگائے خود نیکی اور تقویٰ کے عناصر و ارکان ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خویش واقارب اور مساکین وغیرہ پر خرچ کرنا زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔

لے ترمذی شریف البواب الزکوٰۃ ص ۱۱۹ طبع نور محمد کراچی

مزید انفاق کی حدود | رہا یہ سوال کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اہل ثروت پر مزید انفاق کی کیا حدود ہیں؟ تو اس سلسلے میں قرآن نے اصول یہ بتایا ہے کہ مزید انفاق کا تعلق ذاتی املاک و اموال کے صرف اسی حصے سے ہے جو انسان کی اپنی، اپنے اہل عیال اور اپنے زیر کفالت لوگوں کی ضرورت سے چھل ہو۔ شریعت کے کسی حکم میں تنگی نہیں بخیف مالا یطاق اسلام کا مزاج ہی نہیں۔ کوئی آدمی اس بات کا قطعاً مکلف نہیں کہ وہ اپنے بال بچوں اور اپنے زیر کفالت لوگوں کو بھوکا پیاسا چھوڑ کر اور انہیں بھک مٹکا بنا کر دوسرے اہل حاجت کی حاجت روائی اور صدقہ و خیرات میں مصروف ہو اور خود در بدر بھیک مانگتا پھرے۔ یہ حوصلہ ہر انسان کا نہیں ہو سکتا ہے۔ عام اصول یہ ہے :

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْخَفَوٰط (سورة البقرہ: ۲۱۹)
 ”اور یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں آپ فرمادیں کہ جو کچھ (تمہاری اپنی ضروریات سے) فاضل ہو۔“

اکثر مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ یہ آیت حکم زکوٰۃ سے منسوخ ہے تاہم کئی علماء کا کہنا ہے کہ ہی محکمۃ وفي المال حق سوى الزکوٰۃ لہ
 یعنی یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے اور اس کا ثبوت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔

امام ابو عبیدہ القاسم بن سلام جنہیں اسلامی معاشیات اور مالیات میں ایک سند کا درجہ حاصل ہے، نے بھی کتاب الاموال حصہ دوم اردو ترجمہ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے صفحہ نمبر ۹۳ تا نمبر ۹۶ میں آیات و احادیث فقہاء رحمہمہ اور فقہاء تابعین کے حوالے سے اسی بات کو ثابت کیا ہے کہ امرار کے اموال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی غرابہ کے حقوق ہیں تفصیل اور مزید اطمینان کے لیے اصل کتاب کی طرف رجوع کیا جائے۔

علمی دنیا کی ایک اور معروف اور نامور شخصیت علامہ یوسف القرضاوی نے امام رازی

لہ القرطبی: الجامع لاحکام القرآن: ۳: ۶۱-۶۲ طبع قاہرہ

کے حوالے سے اغنیاء کے فاضل اموال میں فقرار کے حق کا کیا تعلق ہے اور کیوں ہے؟ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ قابل مطالعہ ہے۔ لکھتے ہیں۔

”پہلی بات یہ ہے کہ کسی انسان کو اگر بقدر ضرورت مال مل جائے تو وہ زیادہ حقدار ہے اس بات کا کہ اسے اپنے قبضے میں رکھے، کیونکہ دوسرے ضرورت مندوں کی طرح اسے بھی مال کی ضرورت ہے اور اس صورت میں صاحب مال کا حق دوسروں پر مقدم ہے۔ البتہ جب مال اس کی ضرورت سے زائد ہو اور کوئی دوسرا حاجت مند انسان بھی موجود ہو، تو یہاں دو اسباب ایسے جمع ہو جاتے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں جہاں تک مال کے مالک کا تعلق ہے اس نے حصول مال میں چونکہ محنت و کوشش کی ہے اس لیے اس کا اپنے مال کے ساتھ ایک دلی تعلق ہے اور جہاں تک غریب و محتاج کا تعلق ہے، اسے چونکہ مال کی ضرورت ہے اس لیے وہ بھی مال کے ساتھ ایک قسم کا تعلق رکھتا ہے جب یہ دو متضاد اسباب اکٹھے ہو جائیں تو یہ حکمت الہی کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں اسباب میں ہر سبب کا امکان بھر لحاظ رکھا جائے۔ چنانچہ کہا جائے گا کہ مالک کو چونکہ اپنے مال پر حق الکتاب اور دلی تعلق کا حق حاصل ہے اور فقیر بے لؤا کو صرف حق احتیاج، لہذا ہر مالک کے حق کو اس حد تک ترجیح دیں گے کہ اسے مال کے بیشتر حصے پر قابض رہنے دیں گے اور غریب کو اس میں سے ایک حصہ دلوائیں گے تاکہ دونوں کو تاجداً امکان مل سکے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی مالدار اپنی اہلی ضروریات سے زیادہ مال کو روکے رکھے اور مال جس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہ اس سے پورا نہ کیا جائے تو یہ ایک طرح سے اللہ کی حکمت تکوینی کو ظہور پذیر ہونے سے روکنے کی کوشش ہوگی جو بالکل جائز نہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مال کا ایک حصہ غریبوں کی طرف لوٹا دیا جائے تاکہ یہ حکمت الہی معطل نہ ہو کر رہ جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ فقرار و مساکین اللہ کا کلمہ ہیں اور امرار و اغنیاء اللہ کے خزانچی ہیں کیونکہ ان کے پاس جو مال ہے وہ سب اللہ کا ہے اور یہ بات قرین قیاس ہے کہ کوئی مالک اپنے خزانچی سے کہے کہ میرے خزانے میں سے کچھ مال میرے کنبے کے

غریب و مسکین کو دے دے لیے
اپنی اصل ضرورت سے زائد مال میں غریب و مسکین کے ”حق“ کے پائے جانے کے بارے
میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن اسیر مائل نے ایک عقلی اور منطقی دلیل دی ہے۔ یہ دلیل بھی انتہائی قابل
توجہ ہے، فرماتے ہیں:

جملہ اشیاء عالم بدیل فرمان واجب الادعاء ”خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ
جَمِيعًا“ تمام نئی آدم کی مملوک معلوم ہوتی ہیں یعنی عرض خداوندی تمام اشیاء کی
پیدائش سے رفع خراج جملہ ماس سے اور کوئی شے فی حد ذاتہ کسی کی مملوک خاص
نہیں۔ بلکہ ہر شے فی حد ذاتہ کسی کی مملوک ہے اور من وجہ سب کی مملوک ہے۔ ہاں
بوجہ رفع نزاع و حصول انتفاع قبضہ کو علت ملک مقرر کیا گیا اور جب تک کسی
شے پر ایک شخص کا قبضہ تامہ مستقلہ باقی رہے اس وقت تک کوئی اور اس میں
دست درازی نہیں کر سکتا۔ ہاں خود مالک و قابض کو چاہیے کہ اپنی حاجت سے زائد
پر قبضہ نہ رکھے بلکہ اس کو اوروں کے حوالے کر دے کیونکہ باعتبار اصل دونوں کے
حقوق اس کے ساتھ متعلق ہو رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ مال کشیر حاجت سے
بالکل زائد جمع رکھنا بہتر نہ ہو اگر کوئی بھی ادا کر دی جائے اور انبیاء و صلحاء اس سے
بنیائت محتجب رہے چنانچہ احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے بلکہ بعض صحابہ
و تابعین وغیرہ نے حاجت سے زائد رکھنے کو حرام ہی فرمایا۔ بہر کیف غیر مناسب
و خلاف اولیٰ ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ زائد علی الحاجت
سے تو اس کی کوئی عرض متعلق نہیں اور اوروں کی ملک ”من وجہ“ اس میں موجود تو گویا
شخص مذکور من وجہ مال غیر پر قابض و متصرف ہے اور اس کا حال بعینہ مال غنیمت
کا سا تصور کرنا چاہیے و ہاں بھی قبل تقسیم ہی قصہ ہے کہ کل مال غنیمت تمام مجاہدین
کا مملوک سمجھا جاتا ہے مگر بوجہ ضرورت و حصول انتفاع ”بقدر حاجت“ ہر کوئی

۱۔ مشکوٰۃ الفقر و کیف عاجلہا الاسلام (اردو ترجمہ) ص ۸۲ طبع البدر پبلیکیشنز لاہور

مال مذکور سے منتفع ہو سکتا ہے۔ ہاں حاجت سے زائد جو رکھنا چاہئے اس کا حال آپ کو بھی معلوم ہے کہ کیا ہونا چاہیے (یعنی خانہ شمار ہوگا)۔
جب کچھ لوگ محتاج اور ضرورت مند ہوں تو اس وقت اپنی ضرورت سے زائد مال دے دینے کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ترغیب ہی نہیں دی بلکہ حکم فرمایا ہے ”مسلم شریف میں حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ :

بينا نحن في سفر مع النبي صلى الله عليه وسلم اذ جاءه رجل على راحلة له قال فجعل تصرف بصره يميناً وشمالاً فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له قال فذكرنا اصناف المال ما ذكر حتى رأينا انه لا حق لاحد منا في فضل له

”ایک دفعہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ایک جگہ ایک آدمی اپنی سواری پر سوار آپ کے پاس آیا اور (سوال بھری نگاہوں سے) دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ نبی اکرم نے اس کی اس احتیاجی کو دیکھا تو صحابہ کرام سے فرمایا جس آدمی کے پاس فضل سواری ہو وہ وہ سواری اس آدمی کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس فضل زاد راہ ہے وہ اس بھائی کو دے دے جس کے پاس زاد راہ نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ آپ نے مختلف قسم کے اموال کا ذکر اسی طرح کیا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ ہم میں سے کسی کو بھی اپنے فضل مال میں کوئی حق نہیں!“

یہ روایت سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ باب حقوق المال میں بھی الفاظ کے تقوڑے سے اختلاف کے ساتھ موجود ہے۔ اس روایت میں ”فلیعد به“ کے الفاظ بڑے قابل غور

۱۔ مولانا حفظ الرحمن بیگم رووی : اسلام کا اقتصادی نظام : ۴۲-۴۳ مطبوعہ دہلی (جولائی ایضاح الادب : ۱۳۶۸ء)

اور معنی خیز معلوم ہوتے ہیں۔ ”فلیعط بہ“، یا فلیؤت نہیں فرمایا کہ فاضل سواری یا فاضل توشہ کو اس آدمی کو ”عطا“ کر دو جس کے پاس سواری یا توشہ نہیں بلکہ ”فلیعط بدلہ“ کے الفاظ سے حکم دیا ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ وہ فاضل چیز کو ”لوٹا دے“، اور کسی شے کو کسی کی طرف ”لوٹانے“ کا مطلب یہی ہے کہ وہ چیز اسی آدمی کے پاس سے آئی ہوئی تھی۔

یہ بات اوپر واضح ہو چکی ہے کہ فرو کی ضرورت سے زائد مال پر بقدر ضرورت غبار و ساکن کا حق شرعاً ثابت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اپنے قول و عمل سے اسی بات کو ترجیح دی ہے اور یہی بات پسند فرمائی ہے کہ مشکل تکلیف نگی اور عام فلاں میں افراد کو یہ بھول جانا چاہیے کہ ان کے پاس جو زائد از ضرورت مال ہے وہ ان کی ذاتی ملکیت ہے اور باہم تعاون اور مواسات کے ذریعے اللہ کی مخلوق اور اپنے بھائی بندوں کو اس مصیبت اور پریشانی سے نکالنے کی کوشش کرنی چاہیے حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبیلے کی صرف زبانی کلامی نہیں بلکہ عملی ایثار و مواسات اور ان کے عام معمول کی ایک مثال دیتے ہوئے ان کے عمل کو اپنی خوشنودی کی سند عطا فرمائی۔ فرمایا:

ان الاشعریین اذا ارملوا فی الغزوا وقل طعام عیالہم
بالہدینۃ جمعوا ما کان عندہم فی ثوب واحد ثم اقتسموا
بینہم فی اناء واحد بالسویۃ فہم منی وانا منہم

”بے شک اشعری قبیلے کے لوگوں کا جب سفر جہاد میں توشہ ختم ہو جاتا ہے یا مدینہ منورہ میں ان کے اہل و عیال کا کھانا کم ہو جاتا ہے تو ان کے پاس (مجموعی طور پر) جو کچھ ہوتا ہے اسے ایک کپڑے میں اکٹھا کر لیتے ہیں پھر اسے ایک برتن کے ذریعے آپس میں برابر برابر تقسیم کر لیتے ہیں لہذا وہ لوگ مجھ سے ہیں (یا میرے ہیں) اور میں ان میں سے ہوں (ان کا یہ عمل میرا عمل ہے)“

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنیادی ضروریات زندگی یا

لے بخاری شریف (کتاب الشکر) ج ۱ ص ۳۳۸ طبع کمرزن پریس دہلی

قوت لایموت جس پر انسان کی زندگی کا دار و مدار ہوتا ہے، کی فراہمی میں مساوات ہی کو پسند فرمایا ہے اور یوں حق معیشت میں اغنیاء اور محروم المعیشت لوگوں کے برابر ہونے کی تلقین فرمائی ہے۔ معروف جدید شاعر احمد شوقی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس غریب پرور پالیسی کی طرف یوں اشارہ کیا ہے :

انصفت اهل الفقر من اهل الغنى فالكل في حق الحياة سواء
فلو ان انسانا تخير ملة ما اختار الا دينك الفقراء
الاشترأ كيون وانت امامهم لولاد عاوى القوم والعلاء

”اے نبی ممتشم! آپ نے غریبوں کو اہل ثروت سے پورا پورا انصاف کر کے ان کا حق دلوا یا جس سے پتہ چلتا ہے کہ سارے انسان (غریب اور امراء) حق زندگی میں برابر ہیں حق معیشت میں ان کے درمیان کی تفاوت نہیں۔

۲۔ اگر کوئی آدمی اپنی مرضی سے کسی دین کو اختیار کرے تو یہ بات یقینی ہے کہ کم از کم فقیہ لوگ تو آپ کے دین ہی کو اختیار کریں گے۔

۳۔ اشتراکی اور سوشلسٹ لوگ اگر بے جا دعوے نہ کریں اور اپنے فلسفے میں غلو سے کام نہ لیں تو آپ ان کے امام ہیں“

ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب استطاعت مہاجرین و انصار کو اس بات کی تلقین کی ہے کہ جن لوگوں کے پاس مال نہیں ہے اور نہ ہی ان کا کوئی قریبی عزیز ہے تو وہ کہاں جائیں ؟ فرشتے تو ان کی ضروریات کا انتظام نہیں کریں گے وہ تمہارے مسلمان بھائی ہیں لہذا ان بے سہارا لوگوں کی امداد کرو۔ انہیں اپنے ساتھ ملاؤ اور اس طرح ان کی تنگدستی اور مفلوک الحالی کا علاج کرو۔ امام غزالی کی ”الاسلام والناجج الاشترکیتہ“ کے حوالے سے معروف محقق اور ماہر معاشیات ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے یہ روایت لکھی ہے :

عن جابر بن عبد الله انه قال النبي صلى الله عليه وسلم:
يا معشر المهاجرين والانصار ان من اخوانكم من
ليس له مال ولا عشيرة فليضم احدكم اليه الرجلين

والثلاثة قال جابر فضممت الى اثنين او ثلاثة وعلی
 الا عقبه كعقبه احد هم من جملي له
 "حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم نے فرمایا: اے مہاجرین و
 انصار کی جماعت! تمہارے بعض بھائی ایسے ہیں جن کے پاس نہ کوئی مال ہے
 اور نہ ان کا کوئی قبیلہ ہے (کہ ان کی نگہداشت کرے لہذا تمہیں چاہیے کہ ایک آدمی
 ان میں سے دو تین آدمیوں کو اپنے ساتھ (کھانے پینے اور کاروبار وغیرہ میں) شریک
 کرے۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ساتھ دو تین آدمیوں کو ملا لیا حالانکہ میرے
 پاس بھی دوسرے لوگوں کی طرح صرف اونٹوں کا ایک گلمہ تھا۔
 حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر الصديقؓ بیان کرتے ہیں کہ

ان اصحاب الصفة كانوا ناسا فقراء وان رسول الله صلى الله
 عليه وسلم قال من كان عنده طعام اثنين فليذهب
 بثالث ومن كان عنده طعام اربعة فليذهب بخامس
 او سادس ۛ

"اصحاب صفہ فقیر لوگ تھے ان کے کھانے پینے کا انتظام کرتے ہوئے نبی اکرم صلی
 اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا: جس آدمی کے پاس دو آدمیوں کا کھانا موجود ہو
 وہ (اصحاب صفہ میں سے) تیسرے آدمی کو لے جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں
 کا کھانا ہو وہ پانچویں یا چھٹے آدمی کو لے جائے ۛ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی عادلانہ، منصفانہ اور مہر دانہ پالیسی پر بوقت ضرورت صحابہ کرام
 نے بھی عمل کیا۔ یعنی جب کچھ لوگوں کے پاس ضرورت سے زائد تھا اور بعض ایسے تھے جن کے پاس کچھ
 بھی نہیں تھا تو ایسے حالات میں پیش آمدہ مشکل اور تنگی سے نکلنے کے لیے فاضل سامان یا خوراک میں

۱۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی: اسلام کا نظریہ ملکیت: ۲: ۲۲۷ طبع اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۹۸ء
 ۲۔ ابن حزم: المحلی جلد ۳: ص ۴۵۲ مسئلہ ۲۵، طبع مصر

سب برابر کر دیا۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساحل کی طرف ایک لشکر روانہ فرمایا حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو اس لشکر کا امیر مقرر فرمایا یہ لشکر تین سوافراد پر مشتمل تھا اور میں (جابر بن عبد اللہؓ) بھی ان میں شامل تھا۔ ہم مدینہ منورہ سے چل پڑے راستے میں ایک جگہ ہمارا زادراہ ختم ہو گیا حضرت ابو عبیدہؓ نے لشکریوں میں سے جس کے پاس جو کچھ زادراہ تھا لے کر جمع کر لیا تو یہ کھجور کے دو تھیلے بن گئے۔ آپؓ یہیں تھوڑا انتظار کر کے روزانہ کھانے کو دیتے رہے یہاں تک کہ وہ بھی ختم ہو گیا اس دوران ہمیں صرف ایک ایک کھجور ملا کرتی تھی..... پلہ

زمانہ قحط میں امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی یہ تہیہ کر لیا تھا کہ آئندہ سال تک اگر قحط سالی ختم نہ ہوئی تو ہر کھاتے پیتے گھرانے میں ان کی تعداد کے برابر مزید مغلوک الحال اور قحط کے شکار افراد کو داخل کر دیں گے تاکہ سب لوگ ہلاکت سے بچ جائیں بلکہ یہ الگ بات ہے کہ اللہ کریمؐ نے کرم فرمایا اور قحط سالی دور ہو گئی اور سیدنا فاروق اعظم کو اپنے اس پختہ ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی نوبت پیش نہ آئی۔

حضرت عمر فاروقؓ کا ایک اور قول ابن حزم نے یوں لکھا ہے!

لو استقبلت من امری ما استبدت لآخذت فضول
اموال الاغنياء فقسمتها على فقراء المهاجرين^۱
”جس بات کا اندازہ مجھے اب ہوا ہے اگر اس کا اندازہ پہلے سے ہو جاتا تو میں بھی
تاخیر نہ کرتا اور بلاشبہ ارباب ثروت کی فاضل دولت کے کر فقراء مهاجرين پر تقسیم
کر دیتا۔“

اغنياء کے اموال میں فقرار کا کتنا حق ہے؟ اور کتنا ضروری ہے اور عدم ادائیگی کی صورت
میں اس پر کتنی وعید ہے؟ اس کا اندازہ باب العلم سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس فرمان

۱۔ بخاری شریف (کتاب الشکرۃ) ج ۱ ص ۳۳۷ طبع کمزین پریس دہلی

۲۔ ابن سعد: الطبقات الکبریٰ: ۳: ۳۱۶-۳۱۷ طبع بیروت ۱۳۷۷ھ

۳۔ ابن حزم: المحلی جلد ۲ ص ۴۵۵ (مسئد ۷۲۵) طبع مصر۔

سے لگایا جاسکتا ہے کہ

ان الله تعالى فرض على الاغنياء في اموالهم بقدر ما يكفي فقراءهم
فان جاءوا او عروا وجهدا فبمنع الاغنياء وحق على الله تعالى
ان يحاسبهم يوم القيامة ويعذب بهم عليه لجه
الله تعالى نے اہل دولت پر ان کے اموال میں ان کے فقراء و مساکین کی معاشی حاجت
کو بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض کر دیا ہے۔ پس اگر فقیر لوگ بھوکے ننگے یا معاشی تنگی میں
بتلا ہوں گے تو اس لیے ہوں گے کہ اغنیاء نے ان کے حق کو روک لیا ہے اور اللہ تعالیٰ
نے اپنے ذمہ یہ امر لازم ٹھہرا رکھا ہے کہ بروز قیامت وہ ان (امراء) کا محاسبہ کرے گا
اور فقرار کی اس حق تلفی پر انہیں عذاب دے گا۔

اندلس کے مشہور محدث و فقیہ ابو محمد بن حزم نے "المحلی" میں مسئلہ نمبر ۷۲۵ کے تحت آیات احادیث
اور آثار صحابہ سے استدلال کرتے ہوئے اغنیاء کے اموال میں فقرار کے حق اور غریب کو بنیادی ضرورت یا
زندگی فراہم کرنے کی جو ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے، کے بارے میں جو حتمی فیصلہ یا فتویٰ دیا ہے
وہ قابلِ دید ہے فرماتے ہیں۔

وفرض على الاغنياء من اهل كل بلد ان يقوموا بفقرائهم
ويجبرهم السلطان على ذلك ان لم تقم الزكوات بهم
ولا في سائر اموال المسلمين بهم فيقام لهم بها ما يحتاجون من
الغلات الذي لا يبد منه ومن اللباس للشتاء والصيف وبمثل
ذلك وبمسكن يكتفونهم من المطر والصيف والشمس
وعيون البهارة

”اگر کسی علاقے کی زکوٰۃ اور مسلمانوں کے اموال فی سے وہاں کے فقرار کی ضرورت یا

۱۔ ابن حزم: المحلی جلد ۳ ص ۴۵۵ (مسئلہ نمبر ۷۲۵)، طبع مصر

۲۔ ابن حزم: المحلی جلد ۳ ص ۴۵۲، طبع مصر

زندگی پوری نہ ہو رہی ہوں تو اس علاقے کے اغنیاء پر فرض ہے کہ وہ فقراء و مساکین کی کفالت کا انتظام کریں اور اگر وہ از خود ایسا نہیں کرتے تو بادشاہ وقت انہیں ایسا کرنے پر مجبور کرے گا۔ لہذا فقراء و مساکین کے لیے اتنی غوراک جس کے بغیر چارہ کار نہیں، اتنا لباس جو انہیں سردی و گرمی سے بچا سکے اور اس قدر مکان جو ان کی باریش گرمی، دھوپ اور سیلاب سے حفاظت کر سکے۔ کا انتظام ہر قیمت پر کیا جائے گا۔

اس کے بعد ابن حزم نے مصری خط کے تقریباً چار صفحات پر مشتمل قرآن و حدیث اقوال صحابہ پر مبنی بڑا جاندار استدلال کیا ہے۔ مزید تفصیلی تحقیق کے لیے اصل کتاب سے رجوع کیا جائے۔

مندرجہ بالا تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کریم نے اہل ثروت اور غنی لوگوں کے اموال میں فقراء و مساکین، ضرورت مندوں، حاجت مندوں، بیوگان، یتامی، اپاہجوں، مفلوک الحال محروم المعیشت تنگدست اور فقر و فاقہ میں مبتلا انسانوں کے بہت سے واجبی اور رضا کارانہ حقوق رکھے ہیں اور یہی وہ چیز ہے جس کا قانوناً مطالبہ کیا جاسکتا ہے اللہ کریم جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور اس نے ہر جاندار کے رزق کا ذمہ لے رکھا ہے۔ وہ اس ذمہ داری کو اپنے نائب اور خلیفہ کے ذریعہ پورا کرانا چاہتا ہے جس معاشرے میں معاشی توازن اور اعتدال نہیں۔ جہاں کچھ لوگ بنیادی ضروریات زندگی سے ہی محروم ہوں۔ جہاں بعض لوگوں کے پاس رزق حیات باقی رکھنے کے لیے ضروری خورد و نوش کا سامان نہ ہو تو ظاہر ہے وہاں کے اہل دولت لوگ (جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ کا قول ابن حزم کے حوالے سے اوپر گزرا) غریب کی حق تلفی کر رہے ہیں ورنہ ایسی صورت حال پیدا ہونے کا سوال ہی نہیں ہوتا ہمارے ملک جسے اسلام کے نام پر چلایا گیا تھا، کے اندر جو معاشی ناہمواری۔ نا انصافی عدم توازن اور عدم اعتدال نظر آتا ہے اس کی بڑی وجہ بھی یہی ہے کہ یہاں کے ڈیرے سرمایہ جاکیر دار زمیندار صنعت کار اور بڑے بڑے کاروباری لوگوں پر غریب و مساکین اور بے سہارا لوگوں کی کفالت کے لیے اضافی ٹیکس تو کجا وہ زکوٰۃ نہ دیں تو بھی ان کی گرفت کے لیے حکومت کے پاس کوئی قانون نہیں۔ بلکہ میں ان حضرات کے کھاتے عموماً ”کرنٹ اکاؤنٹ“ میں ہوتے ہیں اور ”کرنٹ اکاؤنٹ“ میں جمع اربوں کھربوں رقم سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جاتی۔ بے دے کے ”سیونگ اکاؤنٹ“

کے کھاتوں سے ہر سال یکم رمضان کو زکوٰۃ کا جاتی ہے مگر ان کھاتوں سے بھی یکم رمضان سے قبل ہی اکثر لوگ زکوٰۃ سے بچنے کی خاطر پیسہ نکھوالتے ہیں۔ جہاں اہل ثروت ان خود پوری پوری زکوٰۃ نہ دیتے ہوں اور نہ ہی حکومت کے پاس وصولی کا کوئی قانون ہو جہاں کے سرمایہ دار غریب مزدوروں کے خون پسینہ کی راہ سے کمائی ہوئی دولت کو بیرون ملک منتقل کر دیتے ہوں جس پر نہ کوئی ٹیکہ اور نہ کوئی دیگر ٹیکس بلکہ سود کی شکل میں اضافہ ہوتا رہتا ہو۔ پھر باہر سے امداد کے نام پر جو پیسہ آتا ہو اس کا بڑا حصہ بھی اپنے سیاسی اثر و رسوخ سے قرضوں کے نام پر یہی سرمایہ دار سے لیتے ہوں اور بعد میں بینک میلنگ کے ذریعے معاف بھی کر لیتے ہوں تو وہاں امیر امیر تر اور غریب غریب تر کیوں نہیں ہوگا۔ وہاں سے غربت و افلاس کا خاتمہ کیسے کیا جائے گا؟

ع اس خیال است و محال است و جنوں

اللہ کرے ہماری حکومتوں کو اس طرف توجہ ہو اور وہ شریعت کے مطابق ملک کے معاشی نظام کو استوار کر دیں شریعت یہی چاہتی ہے کہ درجات معیشت میں تفاوت کے باوجود حق معیشت میں مساوات رہے۔ اہلار و غربا میں ہمہ دمی خیر خواہی، غنخواری، ایثار اور تکافل و تعاون کی ایسی فضا قائم ہو کہ اسلامی حکومت میں بسنے والا کوئی انسان بغیر کسی تخصیص کے بھوکا پیاسا اور محتاج نہ رہے۔ کوئی آدمی ایسے فقر و تنگدستی اور قلت سے دوچار نہ ہو جس سے بعض اوقات انسان "احسن تقویم" سے گزر کر "اسفل سافلین" میں جا پڑتا ہے جو تہذیبی تمدنی معاشرتی اور اخلاقی گراؤت کا باعث بنتی ہے جس کی وجہ سے انسان کے اندر شریعت کے مطلوبہ اوصاف اور خوبیاں پیدا نہیں ہو سکتیں جو انسان کو بعض اوقات کفر تک پہنچا دیتی ہے اور جس سے جو رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عالی ہمت ذات نے پناہ مانگی ہے۔ بہر حال شریعت کا منتہا ہے مقصود یہ ہے کہ

نکتہ شرع مبسبیں اس است و بس
درجہاں محتاج باشد نہ کس